میرؔ کی انفرادیت

(سبق:۲)

Teaching Lecture

Subject : Urdu
Class : B.A. (Hons.) I
Topic : Meer Ki Inferadiyat
Lesson : 02
Author : Dr. Fatahullah Quadri
Lecture Series No. : 36

ہم عصر شعرا کے پیش کردہ ان اشعار میں میرؔ کے عشقیہ رنگ یعنی غم جاناں کے ساتھ غم دوراں جسے عصری حسیت اور سماجی معنویت سے موسوم کیا گیا ہے، بھی موجود ہے، میرؔ نے اپنے دور میں بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھوں دلی کی تاراجی کے تحت گلی کوچوں میں لاشوں کے انبار دیکھے، آج کا شاعر جدید سائنسی تمدن اور ٹکنالوجی معاشرت کے اس بظاہر امن وخوش حالی کے دور میں آئے دن جنگ وجدال، درندگی، بربریت، وحشت زدگی، ظلم وجبر کے خونیں مناظر دیکھ کر دیارِ عشق کو کھنڈر اور دشت دل کو سنسان محسوس کرتا ہے، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر نیز معصوموں کو نیزوں میں پرو کر آگ میں بھوننے کے وحشتناک نظارے دیکھ کر وہ زندگی میں محض چند دلخراش شعر کہہ پاتا ہے، اندر باہر کی خموشی سے احساس کرب اور اندرونی جلن اسے بے چین رکھتی ہے، جس کا وہ اظہار نہیں کر پاتا کہ اس کے دل میں گرم لوہے اور لبوں پر برف جمی ہے، اسے یہ خیال بدحواس کئے رہتا ہے کہ افق تا افق تشویش اور تردد کی فضا میں وہ ماہ وسال کا حساب نہیں رکھ پاتا کہ اسے پوری صدی عذاب میں اسیر لگتی ہے، بے اطمینانی، تشکیک، خوف ویاسیت، کرب تنہائی عدم تحفظ کا احساس، ذات کا المیہ، سماجی عدم مساوات، فریب شکستگی، لامرکزیت افراتفری، اقدار کی شکست وریخت نمائش، ریاکاری، بے بسی ان تمام سے میر کو بھی لمحہ لمحہ سامنا تھا، آج کا شاعر بھی قدرے بدلی ہوئی شکلوں میں قدم بہ قدم ان حوادث سے دوچار ہے، اسی لیے ارباب نظر نے عصر حاضر کو عہد میرؔ سے مماثل اور میرؔ کے عہد کی رات کو ہمارے زمانے سے آملنے سے تعبیر کیا ہے، میر تقی میرؔ کے تعلق سے مسعود حسن رضوی نے لکھا ہے، ''میرؔ کی شاعری کو سمجھنا ہو تو میر کو سمجھئے'' جب کہ بقول میرؔ

سہل ہے میرؔ کا سمجھنا کیا
ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

اے محض میرؔ کے تعلی آمیز کھوکھلے دعوے سے تعبیر کرنا کور مغزی کے مترادف ہوگا کہ میرؔ نے کسی نہ کسی بوتے پر ہی اپنی کئی

اشعار میں ایسے دعوے کئے ہیں، مثلاً:

نہ رکھو کان نظم شاعران حال پر اتنے — چلو ٹک میرؔ کو سننے کہ موتی سے پروتا ہے

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز — تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

میرؔ کے ان دعوؤں کے برحق وصداقت ہونے کا اعتراف جہاں ان کے ہم عصروں سے لے کر عصر حاضر کے بیشتر شعرا نے کیا ہے ان کی تائید وتوثیق محمد حسین آزادؔ، حالیؔ، مجنوںؔ گورکھپوری، آل احمد سرور، احتشام حسین، اثر لکھنوی، اعجاز حسین، عبادت بریلوی، مختار الدین احمد، رام بابو سکسینہ، مولوی عبدالحق، حسن عسکری، محمد حسن، نثار احمد فاروقی، شارب رودولوی، شجاعت علی سندیلوی، محی الدین قادری زورؔ، اکبرؔ حیدری، سردار جعفری، خواجہ احمد فاروقی اور گوپی چند نارنگ تک نے کی ہے، اپنی بات ختم کرنے سے قبل جی چاہتا ہے کہ میرؔ کے دعوے کو مزید استحکام عطا کرنے والے چند لازوال اشعار ہراتا چلوں، جن کا لفظ لفظ تشبیہات واستعارات اور رمز وکنایہ کے مہین پردوں کے پیچھے تہہ در تہہ معنویت اور پرت در پرت مفاہیم نو بہ نو ایک جہانِ دگر اپنے اندر بسائے ہوئے ہیں:

ہم نہ کہتے تھے کہ نقش اس کا نہیں نقاش سہل — چاند سارا کھپ گیا تب نیم رخ صورت ہوئی

کیا جانے چشم تر کے ادھر دل کو کیا ہوا — کس کو خبر ہے میرؔ سمندر کے پار کی

اے شب جہر راست کہہ تجھ کو — بات کچھ صبح کی بھی آتی ہے

جس جائے سراپا پہ نظر جائے ہے اس کے — آتا ہے یہی جی میں یہیں عمر بسر ہو

کہا میں نے گل کو ہے کتنا ثبات — کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

پوچھا جو کسی نے حال دل کا — ایک بوند ٹپک پڑی لہو کی

سرسری تم جہان سے گزرے — ورنہ ہر جان جہان دیگر تھا

کن نیندوں اب تو سووے ہے اے چشم گریہ ناک — مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا

غزل کہنی نہ آتی تھی تو سو سو شعر کہتے تھے — مگر اک شعر بھی اے میرؔ اب مشکل سے ہوتا ہے

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں — تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

فلک کی برسوں کی سرگردانی کے بعد خاک کے پردے سے برآمد ہونے والے خدائے سخن میر کی کائنات سخن پر خدائی کا کسی نے بطلان نہیں کیا، جس پر ایمان لانے والوں میں سوداؔ، غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، سے لے کر زمانۂ حال تک کم وبیش تمام عمائدین شعر وادب شامل ہیں، ایسے میں ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ میرؔ پر بہ اعتبار کیفیت وکمیت ویسا اور اتنا کام کیوں نہیں ہوا جتنا کہ غالبؔ اور اقبالؔ پر ہو چکا اور ہو رہا ہے، اقبالؔ کے ساتھ تو خیر فلسفۂ اسلام کی وابستگی مذہب پسندوں کی توجہ اور دلچسپی خاص رغبت کا سبب ہو سکتی ہے، لہٰذا جگن ناتھ آزاد، عبدالمغنی، سلیم اختر، محمد بدیع الزماں اور عبدالسلام ندوی وغیرہ ارباب قلم نے اپنی تمام تر فکری صلاحیتیں وقف کر کے نیز ماہرین

اقبالیات کے تمغے اپنے سینوں پر سجا کر اقبالیات پر تصانیف نو بہ نو کے انبار در انبار لگا دیے، غالبؔ پر تو شاگرد غالبؔ حالیؔ سے لے کر عبدالرحمن بجنوری تک، مالک رام، شیخ محمد اکرام، غلام رسول مہر، عرشی زادہ، اثر لکھنوی، شوکت سبزواری اور نیاز فتح پوری تا کالی داس گپتا رضا ماہرین غالبیات کا ایک طویل طویل سلسلہ ہے جو اپنی بیش بہا تصانیف کی روشنی میں غالبؔ کی تب و تاب کو قائم و دائم رکھتے ہوئے اس میں نو بہ نو اضافے بھی کرتا رہا ہے، علاوہ ازیں برصغیر میں اقبالؔ اور غالبؔ پر چھوٹے بڑے کم و بیش ہر رسالے نے ضخیم نمبروں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رکھا ہے، اقبالؔ اور غالبؔ پر آئے دن جا بجا سمینار اور سمپوزیم انعقاد پذیر ہوتے رہتے ہیں، مختلف یونیورسٹیوں میں اقبال اور غالب سے موسوم چیئرس قائم ہیں، اس تناظر میں تجزیاتی موازنہ کرنے پر سخت مایوسی ہے کہ میرؔ کی عظمت، اہمیت و افادیت کی مسلسل اعترافی تکرار کے باوجود سوائے شمس الرحمن فاروقی کے شعر شور انگیز، ڈاکٹر سید عبداللہ کے نقدِ میر اور خواجہ احمد فاروقی کے چند مضامین کے سینے پر ماہرین ''میریات'' جیسا کوئی تمغہ امتیاز سجائے کوئی ایک دکھائی نہیں دیتا، جب کہ غالبؔ میرؔ کی سہل پسندیوں، نشتریت استفہامیہ لہجے، انداز و اظہار فکر نیز اسلوب زبان و بیان وغیرہ میں بڑی حد تک اتباع کر کے ہی غالبؔ ہوئے، اس کی بنیادی وجہ غالباً یہ ہے کہ میرؔ شاعروں کا شاعر ہے، جب کہ غالبؔ ناقدین کا شاعر ہے، میر کے ہاں شاعروں کو تو تحقیق شعر کے لیے موضوعات مل جاتے ہیں، لیکن ناقدین کو اس کے لیے خاصی مغز پچی کرنی پڑتی ہے، برخلاف اس کے غالب کے اشعار میں ابہام کی پرتیں ناقدین کے لیے نو بہ نو موضوعات کے جواز فراہم کرتی ہیں، اس تناظر میں عصر حاضر کے ارباب نقد و بصیرت میرؔ کی از سر نو ناز یافت کے لیے میرؔ کے مقروض ٹھہرتے ہیں کہ بقول آل احمد سرور:

''جب جب زندگی کسی نازک موڑ پر آئے گی اور مر مر کے زندگی کرنا ایک نئی معنویت حاصل کرے گا، میر کو نئے سرے سے دریافت کیا جائے گا۔''

ظاہر ہے اس سے زیادہ نازک موڑ اور کون سا آئے گا، جس پر آج زندگی پہنچ چکی ہے کہ ہر صاحب احساس و ادراک کے لیے مر مر کر زندگی کرنا ایک نئی معنویت حاصل کر چکا ہے، لہٰذا ہمیں اپنی اپنی بساط بھر میرؔ کی از سر نو دریافت کے لیے کمر بستہ ہو جانا چاہیے۔

❁❁❁❁❁❁